آؤ! خواب نہیں تعبیر دیکھیں

تحریر: سہیل احمد لون

تقریباً 35 سال قبل میں نے ایک نجی سکول سے پرائمری پاس کر کے اپنے گھر کے عقب میں واقع گورنمنٹ کمپری ہینسو ہائی سکول گھوڑے شاہ روڈ لاہور میں داخلہ لیا۔ اس وقت وہاں ہر جماعت کے A سے F تک چھ چھ سیکشن ہوتے تھے۔ چھٹی جماعت کے ہر سیکشن میں طالب علموں کی تعداد 100 سے زائد تھی جس کی وجہ سے ہمیں کلاسوں میں ٹاٹ پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کرنا پڑتی تھی۔ ساتویں سے دسویں تک کلاسوں میں طالب علموں کی تعداد سو سے کم ہو جاتی جس کی وجہ سے ہمیں بینچوں پر بیٹھنے کی سہولت میسر آ گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب قوم پر ابھی ''مرد حق'' مسلط تھا اور لوڈ شیڈنگ کے عذاب کا بھی ابتدائی زمانہ تھا' چھٹی جماعت میں موسم گرما میں ٹاٹوں پر سو سے زائد بچوں کا بیٹھنا اور پھر ایک گھنٹہ بغیر بجلی کے پڑھنا دوسری تیسری جماعت میں چھٹی کا دودھ یاد دلا دیتا تھا۔ سن تو یاد نہیں لیکن مئی کے مہینے کا آخری ہفتہ تھا گرمیوں کی چھٹیاں ہونے میں ابھی چند روز باقی تھے ہم پسینے میں شرابور اردو پڑھ رہے تھے کہ ہمارا ایک ہم جماعت منیر احمد اپنے والد محترم کے ساتھ کلاس میں داخل ہوا ہمارے استاد جناب عابد صاحب سے انہوں نے کچھ بات کی اور اس کے بعد عابد صاحب نے ہم سے مخاطب ہو کر کہا کہ منیر اپنے والدین کے ساتھ لندن شفٹ ہو رہا ہے اور جانے سے پہلے آپ سے ملنے آیا ہے۔ منیر نے کلاس میں موجود تمام لڑکوں سے مصافحہ کیا۔ پھر کلاس کے سامنے کھڑے ہو کر الوداعی جملوں میں یہ بات کی کہ وہ ولایت جا کر پڑھے گا اور ایک بڑا آدمی بنے گا ساتھ ہی معصومانہ انداز میں یہ بھی کہہ دیا کہ لندن میں گرمی نہیں ہوتی چلو ''پت'' یعنی گرمی دانوں سے ہمیشہ کے لیے جان چھوٹ جائے گی۔ منیر کلاس کے سامنے کھڑا تھا ہم سب نیچے زمین پر بیٹھے تھے اور نیچے سے اوپر دیکھتے ہوئے ہمیں منیر حقیقت میں بڑا لگنا شروع ہو گیا تھا۔ منیر ہاتھ ہلا کر آخری بار خدا حافظ کر کے اپنے والد کے ساتھ چلا گیا اور عابد صاحب ہمیں قائداعظم پر مضمون لکھانے میں مصروف ہو گئے۔ جس میں ولایت سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا ذکر تھا ایسے ہی علامہ اقبال کے مضمون میں بھی پڑھا۔ معصوم ذہن میں فوراً منیر احمد کے بارے میں سوچا کہ وہ بھی بڑا آدمی بن کر پاکستان آئے گا اور اس پر بھی مضمون لکھا جایا کرے گا۔ پتہ نہیں کیوں میں نے جاگتی آنکھوں سے ولایت جا کر پڑھنے کا خواب دیکھنا شروع کر دیا ۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب جہاز میں بیٹھ کر ولایت جانا تو درکنار آٹو رکشہ میں انارکلی بازار تک جانا بھی ایسا ہی مشکل ترین کام تھا جیسا پاناما لیکس میں آئے پاکستانی بااثر افراد کا احتساب کرنا۔ جہاز کی سواری تو ممکن نہ تھی ہم جہاز کے گزرنے پر ایک دوسرے کو سٹاپ یا مکہ مارنے کا کھیل ضرور کھیلتے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب ہمارے محلے میں ایک گھر میں ٹیلیفون تھا جن سے کوئی بھی بگاڑ کر رکھنے کی حماقت نہیں کرتا تھا، چند گھروں میں بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی تھا اور چند لوگوں کے پاس موٹر سائیکل تھی ورنہ سائیکل پر بیگم بچے سمیت لاہور کی سیر کرنا بھی ''ٹور'' سمجھا جاتا تھا۔ ان حالات میں ولایت تعلیم حاصل کرنے کا خواب دیکھنا تو ایک معصوم کی خواہش ہی ہو سکتی تھی مگر اس کی تعبیر کی کوئی تدبیر نظر نہیں آتی تھی لہذا خواب آنکھوں میں سجا کر وقت گزرتا گیا۔ پندرہ برس کی عمر میں میٹرک پاس کیا تو حادثاتی طور پر پاک فضائیہ میں چلا گیا پائلٹ بننے گیا مگر قسمت نے انجینئر بنا دیا۔ چند دنوں بعد ہی مجھے یہ احساس

ہوگیا کہ فوج کا پیشہ میرے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا۔آج تک کی واحد سفارش میں نے فوجی ہتھکڑی سے آزاد کروانے کے لیے کروائی ہے۔معلم،صحافی یا کرکٹ کا کمنٹریٹر بننے کا شوق تھا جس کے حصول کے لیے جرنلزم ،ایجوکیشن اور فارسی کے مضامین میں پرائیویٹ بی۔اے کی ڈگری بھی لی مگر ٹیکنیکل پس منظر ہونے کی وجہ سے جاب نہ ملی۔مجبوراً منسٹری آف ڈیفنس میں ٹیکنیکل آفیسر کے طور پر ملازمت کرلی۔گورنمنٹ کی جانب سے فری میں چین جا کر پڑھنے کا موقع بھی مل گیا جس سے ولایت جا کر پڑھنے کا خواب تو پورا نہ ہوا البتہ حدیثِ مبارکہ کے مطابق عمل ہونے پر خوش ضرور تھا۔گھریلو ذمہ داریوں اور کچھ کرنے کا جنون مجھے جرمنی لے گیا جہاں مکینکل انجینئرنگ میں داخلہ مل گیا۔ولایت نہ سہی یورپ ہی سہی.....اپنے خواب کی کسی حد تک تکمیل ہونے پر میں بہت خوش تھا۔بارہ برس جرمنی میں رہنے کے بعد لندن شفٹ ہوگیا جہاں ہر علاقے میں یونیورسٹیوں کی تعداد ایسے ہی ہے جیسے کبھی لاہور میں کبوتروں کی چھتریاں ہوا کرتی تھیں ۔لندن میں آنے کے بعد میں نے صحافت کا باقاعدہ آغاز کالم نگاری سے کر دیا تھا۔یورپ برطانیہ میں ہمارے ملک کا ڈرائیونگ لائسنس ہو یا ڈگری اس کی کوئی اہمیت نہیں لہذا شوق کو ذریعہ معاش بنانے کے لیے بچپن میں دیکھا خواب پورا کرنے کا وقت آ گیا۔

2013ء میں، میں نے ستمبر سے فل ٹائم سٹوڈنٹ بن گیا اور 27 مئی کو لندن میٹروپولیٹن یونیورسٹی میں دیگر طالب علموں کے ساتھ جرنلزم میں ڈگری کی تعلیم مکمل کرنے کی پارٹی میں شریک تھا۔29 جولائی کو ہماری گریجوایشن کی تقریب ہونی ہے جسے دیکھنے کے لیے میری والدہ بہت بے چین ہیں کیونکہ یہ انکی بھی یہ خواہش تھی کہ وہ اپنے بچے کی گریجوایشن تقریب میں شرکت کریں۔ میں خوش قسمت ہوں کہ اپنے خواب کے ساتھ ساتھ ماں کی خواہش کو بھی پوار کرنے جا رہا ہوں۔اسکے بعد میں نے اعلی تعلیم کے لیے کنگسٹن یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا ہے۔پارٹی کے دوران مجھے بچپن کا ہم جماعت منیر احمد پتہ نہیں کیوں بہت یاد آیا جس نے کہا تھا کہ لندن میں گرمی نہیں ہوگی چلو شکر ہے" پت" نہیں نکلے گی۔چار دہائیوں میں چار ڈگریاں کرنے کے بعد اب پانچویں کے لیے قدم اٹھایا ہے اور ساتھ ہی جاگتی آنکھوں سے ولایت میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کرنے کا نیا خواب بھی دیکھنا شروع کر دیا ہے۔چند برس قبل میرا پہلا شعری مجموعہ "خواب آنکھوں میں ٹوٹ جاتے ہیں" شائع ہوئی تھی۔کبھی سوچتا تھا کہ ایک عام انسان کے پاس پاکستان میں خواب اکثر آنکھوں میں ٹوٹ جاتے ہیں ان میں سے بہت سے خواب بچپن میں ماں باپ دکھا دیتے ہیں،کبھی کوئی محبوب یا محبوبہ،بڑے ہو کر سیاستدان..... یوں خوابوں کا بنانا اور ٹوٹنا ایک مسلسل عمل ہے۔میری ماں نے مجھے قلم پکڑنا سکھایا اور زمانے نے کالم لکھنا اور وقت کی ڈیمانڈ نے مجھے کیمرہ پکڑنا بھی سکھا دیا۔برطانیہ دیسی صحافیوں میں اتنا ہی خود کفیل ہے جتنا ہم کرپشن اور لوڈ شیڈنگ میں ..... یہ الگ بات ہے کہ اصلی صحافیوں کی تعداد ایسے ہی ہے جیسے 1980ء میں ہمارے محلے میں رنگین ٹی وی والوں کی ہوتی تھی۔لڑکپن میں بندوق چھوڑ کر قلم اس لیے اٹھائی تھی کہ قلم کا جہاد اگر احسن طریق سے کیا جائے تو بندوق اٹھا کر فوج کے لڑنے کی نوبت بہت کم آتی ہے۔آج انفارمیشن ٹیکنالوجی کے دور میں صحافتی شعبے کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔صحافی دیس میں ہو یا بدیس میں اگر وہ "صحافتی یرقان کے زرد رنگ" میں پیلا نہیں ہوا تو حق کی جنگ لڑ رہا ہے جس میں لکھا ہوا ہر حرف،بولا ہوا ایک ایک لفظ یا دکھائی گئی فوٹیج ایک جہاد کا درجہ ہی رکھتی ہے۔عمران خان اکثر اپنی تقریروں میں ایک بات کہتا ہے کہ انسان کو ہمیشہ بڑے خواب دیکھنے چاہئیں جو جاگتی آنکھوں سے ہی ممکن ہیں۔اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں خواب پورا ہونے کو آئے

تو تین دہائیوں سے زائد عرصہ بعد بھی پورا ہو سکتے ہیں لیکن یاد رکھیں چھوٹے ذہن جن کو بڑے لوگوں کے خواب کہتے ہیں وہ درحقیقت بڑے لوگوں کی تعبیریں ہوتی ہیں کیونکہ خوابوں کا بیج بوئیں گے تو خوابوں کی فصل ہی ہر طرف لہلہاتی نظر آئے گی لیکن تعبیر کا بیج بونے سے ہر شجرِ امید پر تعبیر کا پھل ہی پک کر تیار ہو گا لیکن تعبیر کے خاکے میں خواہشوں اور محنتوں کے خون سے رنگ بھرنے ہوتے ہیں اور اس کیلئے سب لوگ تیار نہیں ہوتے سو خواب دیکھتے ہیں اور خوابوں میں رہ کر ایک دن خواب ہو جاتے ہیں۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

26-05-2016